رسائل و مسائل

سود، پردہ، طلاق اور مہر

(۱۰)

خاتمۂ کلام گذشتہ صفحات میں آپ کے سامنے اس پردہ کی پوری حقیقت واضح کردی گئی ہے جس پر سالہا سال سے اس قدر قیل وقال کا سلسلہ جاری ہے جیسا کہ ہم نے ابتدا میں کہا تھا نفس حجاب کا مسئلہ کچھ ایسا پیچیدہ نہیں جس کے بیان میں کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت ہو۔ اس کی تفصیلات زیادہ سے زیادہ دس پانچ صفحوں میں بیان کی جاسکتی ہیں لیکن ہم کو جس وجہ سے اس مسئلہ پر اتنی طویل بحث کرنی پڑی وہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں چند ایسے موانع پیدا ہو گئے ہیں جن کے باعث بہت سے اسلامی مسائل کی طرح اس مسئلہ کو بھی ٹھیک ٹھیک سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا ہے، اور ان موانع کو دور کیے بغیر محض نفس مسئلہ کی تفہیم پر وقت اور محنت صرف کرنا دراصل وقت اور محنت کی اضاعت ہے۔

ان موانع میں سب سے اہم مانع یہ ہے کہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ عموماً "یرقان ابیض" میں مبتلا ہوگیا ہے میں اپنی اس صاف گوئی پر اپنے دوستوں اور بھائیوں سے معافی چاہتا ہوں۔ مگر جو حقیقت ہے اس کے اظہار میں کوئی مروّت مانع نہ ہونی چاہیے۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ اسلام کا کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو ثابت شدہ علمی حقائق کے خلاف ہو، بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جو کچھ علمی حقیقت ہے وہی عین اسلام ہے۔ مگر اس کو دیکھنے کے لیے بے رنگ نگاہ کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے۔ وسیع نظر کی ضرورت ہے تاکہ ہر چیز کے تمام پہلوؤں کو دیکھ سکے۔ کھلے دل اور سلیم فطرت کی ضرور ہے تاکہ حقائق

جیسے کچھ بھی ہوں ان کو ویسا ہی تسلیم کرے اور اپنے رجحانات کے تابع بنانے کے بجائے رجحانات نفس کو ان کے تابع کر دے۔ جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں اگر علم ہو بھی تو بیکار رہے۔ رنگین نگاہ جو کچھ دیکھے گی اسی رنگ میں دیکھے گی جو اس پر چڑھا ہوا ہے۔ محدود نظر مسائل اور معاملات کے صرف انہی گوشوں تک جا سکے گی جو اس زاویہ کے سامنے واقع ہوں جس سے وہ انہیں دیکھ رہی ہے۔ پھر ان سب کے باوجود جو کچھ علمی حقائق اپنی اصلی حالت میں اندر تک پہنچ جائیں گے ان پر بھی دل کی تنگی اور فطرت کی کجی اپنا عمل کریگی وہ حقائق سے مطالبہ کریگی کہ اس کے داعیات نفس اور اس کے جذبات ورجحانات کے موافق ڈھل جائیں اور اگر وہ نہ ڈھلیں گے تو وہ ان کو حقائق جاننے کے باوجود نظر انداز کر دیگی اور اپنی ہوا کا اتباع کرے گی۔ ظاہر ہے کہ اس مرض میں جب انسان گرفتار ہو۔ تو علم، تجربہ، مشاہدہ، کوئی چیز بھی اس کی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور ایسے مریض کے لیے قطعی ناممکن ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے، کیونکہ اسلام دین فطرت بلکہ عین فطرت ہے۔ دنیائے مغرب کے لیے اسلام کو سمجھنا اسی لیے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اس بیماری میں مبتلا ہو گئی ہے اس کے پاس جتنا بھی "علم" ہے وہ سب کا سب "اسلام" ہے۔ مگر خود اس کی اپنی نگاہ رنگین ہے۔ پھر یہی رنگ "یرقان ابیض" بن کر ہمارے عام تعلیم یافتہ طبقہ کی نگاہوں پر چھا گیا ہے، اور یہ بیماری ان کو بھی حقائق علمیہ سے صحیح نتائج نکالنے اور مسائل حیات کو فطری نگاہ سے دیکھنے میں مانع ہوتی ہے۔ وہ ایمان رکھتے ہیں۔ اسلام کی صداقت کے معترف ہیں۔ اتباع دین کے جذبہ سے بھی خالی نہیں۔ مگر اپنی آنکھوں کے یرقان کو کیا کریں کہ جو کچھ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں اس کا رنگ ہی انہیں صبغۃ اللہ کے خلاف نظر آتا ہے لہذا صبغۃ اللہ کو ان کے سامنے پیش کرنے سے پہلے ناگزیر ہے کہ آنکھوں کی اس بیماری کا علاج کر دیا جائے۔

دوسری وجہ جو فہم صحیح میں مانع ہوتی ہے، یہ ہے کہ عام طور پر لوگ جب اسلام کے کسی مسئلہ پر غور کرتے ہیں۔ تو وہ اُس نظام اور سسٹم پر بحیثیت مجموعی نگاہ نہیں ڈالتے جس سے وہ مسئلہ متعلق ہوتا ہے، بلکہ وہ نظام سے الگ کر کے اُس خاص جزء کو من حیث ہو ہو لے لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جز تمام حکمتوں

سے خالی نظر آنے لگتا ہے، اور اس میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہونے لگتے ہیں۔ سود کے مسئلہ میں یہی ہوا کہ اس کو اسلام (یعنے فطرت) کے اصول معیشت اور نظام معاشی سے الگ کرکے دیکھا گیا۔ ہزاروں سقم اس میں نظر آنے لگے، یہاں تک کہ بڑے بڑے صاحب علم لوگوں کو بھی مقاصد شریعت کے خلاف اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غلامی اور تعدد ازواج اور حقوق الزوجین اور ایسے ہی بہت سے مسائل میں اسی بنیادی غلطی کا اعادہ کیا گیا ہے، اور پردہ کا مسئلہ بھی اسی کا شکار ہوا ہے۔ اگر آپ پوری عمارت کو دیکھنے کے بجائے صرف اس کے ایک ستون کو دیکھیں گے تو لامحالہ آپ کو حیرت ہوگی کہ یہ آخر کیوں لگایا گیا ہے۔ آپ کو اس کی اقامت تمام حکمتوں سے خالی نظر آئے گی۔ آپ کبھی نہ سمجھ سکیں گے کہ انجنیر نے ایک عمارت کو سنبھالنے کے لیے کس تناسب اور کس موزونیت کے ساتھ اس کو لگایا ہے اور اس کو گرادینے سے پوری عمارت کو کیا نقصان پہنچے گا۔ بالکل ایسی ہی مثال پردے کی ہے جب وہ اس نظام معاشرت سے الگ کرلیا جائیگا جس میں وہ عمارت کے ستون کی طرح ایک ضرورت اور مناسبت کو ملحوظ رکھ کر نصب کیا گیا ہے، تو وہ تمام حکمتیں نگاہوں سے اوجھل ہو جائینگی جو اس میں پوشیدہ ہیں، اور یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہ آسکے گی کہ نوع انسانی کی دونوں صنفوں کے درمیان یہ امتیازی حدود آخر کیوں قائم کیے گئے ہیں۔ پس ان کی حکمتوں کو واضح کرنے کے لئے یہی ناگزیر تھا کہ وہ پوری عمارت پیش کی جائے جس میں وہ نصب کیا گیا ہے،

اب اسلام کا حقیقی پردہ آپ کے سامنے ہے، وہ نظام معاشرت بھی آپ کے سامنے ہے جس کی حفاظت کے لیے قانون حجاب کو بطور ایک حکیمانہ تدبیر کے اختیار کیا گیا ہے، اس نظام کے وہ تمام ارکان بھی آپ کے سامنے ہیں جن کے ساتھ ایک خاص توازن کو ملحوظ رکھ کر پردے کا رکن مربوط کیا گیا ہے، وہ تمام ثابت شدہ حقائق بھی آپ کے سامنے ہیں جن پر اس پورے نظام معاشرت کی بنا رکھی گئی ہے اور جن میں سے ایک کو بھی مزعوم و مظنون کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی۔ ان سب کو دیکھ لینے کے بعد فرمائیے کہ اس میں کہاں آپ کوئی کمزوری پاتے ہیں؟ کس جگہ بے اعتدالی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا ہے؟ کونسا مقام ایسا ہے جہاں کسی خاص گروہ کے رجحان سے قطع نظر محض علمی و عقلی بنیادوں پر کوئی

اصلاح تجویز کی جا سکتی ہے؟ میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ زمین اور آسمان جس عدل پر قائم ہیں، اور کائنات کے نظم میں جو کمال درجہ کا تسویہ پایا جاتا ہے، اور نظام شمسی میں جیسا مکمل توازن و تناسب آپ دیکھتے ہیں ویسا ہی عدل اور تسویہ اور توازن و تناسب اس نظام معاشرت میں بھی موجود ہے۔ افراط اور تفریط اور یک رُخی جو انسانی کاموں کی ناگزیر کمزوری ہے، اس سے یہ نظام یکسر خالی ہے! اس میں کوئی اصلاح تجویز کرنا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ انسان اپنی عقل خام کی مداخلت سے اگر اس میں کوئی ادنیٰ ردّو بدل بھی کریگا تو اس کے توازن کو بگاڑ دیگا۔

احوال زمانہ کا اقتضا: بعض حضرات ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے ہیں جو اوپر بیان کی گئی ہیں، مگر وہ کہتے ہیں کہ اسلام کے قوانین میں حالات زمانہ کے لحاظ سے شدت اور تخفیف کی تو کافی گنجائش ہے جس کا اعتراف تم نے خود بارہا کیا ہے۔ بس ہماری خواہش صرف اس قدر ہے کہ اسی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے۔ موجودہ زمانے کے حالات پردہ میں تخفیف کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان عورتیں مدرسوں اور کالجوں میں جائیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں ایسی تربیت حاصل کریں جس سے وہ ملک کے تمدنی معاشرتی معاشی اور سیاسی مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس کے بغیر مسلمان زندگی کی دوڑ میں ہمسایہ قوموں سے پیچھے رہے جاتے ہیں، اور آگے چل کر اندیشہ ہے کہ اور زیادہ نقصان اٹھائیں گے، کیونکہ ملک کی سیاسی زندگی میں عورتوں کو جو حقوق دیے جا رہے ہیں، اگر ان سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت مسلمان عورتوں میں پیدا نہ ہوئی، اور پردے کی قیود کے سبب سے وہ فائدہ نہ اٹھا سکیں تو ملک کے سیاسی ترازو میں مسلمانوں کا وزن بہت کم ہو جائے گا۔ دنیائے اسلام کی ترقی یافتہ اقوام مثلاً ٹرکی اور ایران نے زمانے کے حالات کو دیکھ کر اسلامی حجاب میں بہت کچھ تخفیف کر دی ہے۔ اور اس سے چند ہی سال کے اندر نمایاں فوائد حاصل ہوئے ہیں۔ اگر ہم بھی انہی کے نقش قدم پر چلیں تو آخر اس میں کیا قباحت ہے۔

یہ جتنے خطرات بیان کیے جاتے ہیں ان کے صحیح ہونے سے ہمیں انکار نہیں، مگر ان کا جو حل تجویز کیا گیا ہے اس کی صحت سے ہمیں قطعی انکار ہے۔ اس میں خیر اندیشی ہو تو ہو مگر دور اندیشی ہرگز نہیں۔ بلکہ صحیح تفکر سے بھی اس میں کام نہیں لیا گیا۔ اس خیال کو پیش کرنے والے حضرات نے احوال زمانہ کا صرف ایک رخ دیکھا ہے۔ دوسرے رخ کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اسلامی احکام میں تخفیف کی جو گنجایش ہے اس کا بھی محض ایک خیالی نقشہ ان کے ذہن میں ہے۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ تخفیف کے اصول کیا ہیں، اور اس میں کن کن امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

پچھلے اوراق میں ہم نے تفصیل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ اسلامی نظم معاشرت کی حفاظت کے لیے شارع نے تین تدبیریں اختیار کی ہیں۔ ایک اصلاح اخلاق۔ دوسرے تعزیری قوانین۔ تیسرے انسدادی تدابیر یعنی ستر و حجاب۔ یہ گویا تین ستون ہیں جن پر یہ عمارت کھڑی کی گئی ہے جن کے استحکام پر اس عمارت کا استحکام منحصر ہے۔ اور جن کا انہدام در اصل اس پوری عمارت کا انہدام ہے۔ آئیے اب اپنے ملک کے موجودہ حالات پر ایک نظر ڈال کر دیکھیے کہ ان تینوں ستونوں کا آپ کے ہاں کیا حال ہے؟

پہلے اپنے اخلاقی ماحول کو لیجیے۔ آپ اس ملک میں رہتے ہیں جس کی پچھتر فی صدی آبادی غیر مسلم ہے، جس پر ایک غیر مسلم قوم حکمراں ہے، جس پر ایک غیر مسلم تہذیب آندھی اور طوفان کی طرح چھائی چلی جا رہی ہے، پلیگ اور ہیضہ کے جراثیم کی طرح غیر اسلامی اخلاق کے اصول اور غیر اسلامی تہذیب کے تخیلات تمام فضا میں پھیل گئے ہیں۔ آب و ہوا ان سے مسموم ہو چکی ہے۔ اس کی سمیت نے ہر طرف سے آپ کا احاطہ کر لیا ہے۔ فحش اور بے حیائی کی جن باتوں کے خیال سے بھی چند سال پہلے تک آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے وہ اب اس قدر معتاد ہو چکی ہیں کہ آپ انہیں روز مرہ کے معمولات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے بچے تک اخباروں اور رسالوں اور اشتہاروں میں فحش تصویریں دیکھ رہے ہیں اور ان سے نہیں بچائے جا سکتے۔ آپ کے بوڑھے اور جوان اور بچے سب کے سب سینما دیکھ رہے ہیں۔ جہاں عریانی اور بے حیائی اور شہوانی محبت کے

زیادہ دلچسپ چیز اور کوئی نہیں۔ باپ اور بیٹے، بھائی اور بھائی، مائیں اور بیٹیاں ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھ کر علانیہ بوس و کنار اور اختلاط و ملاعبت کے مناظر دیکھتے ہیں اور کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ انتہا درجہ کے گندے اور ہیجان انگیز گیت گھر گھر اور دوکان دوکان بج رہے ہیں اور کسی کے کان ان آوازوں سے محفوظ نہیں۔ ہندی اور فرنگی اعلیٰ سوسائٹی کی خواتین نیم عریاں لباسوں کے ساتھ پھر رہی ہیں اور نگاہیں ان لباسوں کی اس قدر خوگر ہو چکی ہیں کہ کوئی شخص ان میں کسی قسم کی بے حیائی محسوس نہیں کرتا۔ اخلاق کے جو تصورات مغربی تعلیم و تہذیب کے ساتھ پھیل رہے ہیں ان کی بدولت نکاح کو ایک فرسودہ رسم، زنا کو ایک تفریح، مرد و زن کے اختلاط کو ایک ناقابل اعتراض بلکہ مستحسن چیز، طلاق کو ایک کھیل، ازدواجی فرائض کو ایک ناقابل برداشت بندھن، توالد و تناسل کو ایک حماقت، شوہر کی اطاعت کو ایک نوع کی غلامی، بیوی بننے کو ایک مصیبت اور معشوق بننے کو ایک خیالی جنت سمجھا جا رہا ہے۔

پھر دیکھیے کہ اس ماحول کے اثرات آپ کی قوم پر کیا پڑ رہے ہیں۔ کیا آپ کی سوسائٹی میں اب غض بصر کا کہیں وجود ہے؟ کیا لاکھوں میں ایک آدمی بھی کہیں ایسا پایا جاتا ہے جو اجنبی عورتوں کے حسن سے آنکھیں سینکنے میں باک کرتا ہو؟ کیا علانیہ آنکھ اور زبان کی زنا نہیں کی جا رہی ہے؟ کیا آپ کی عورتیں بھی تبرج جاہلیہ اور اظہار زینت اور نمائش حسن سے پرہیز کر رہی ہیں؟ کیا آپ کے گھروں میں ٹھیک وہی لباس نہیں پہنے جا رہے ہیں جن کے متعلق آنحضرت نے فرمایا تھا کہ نساءٌ کاسیات عاریات ممیلات مائلات؟ کیا آپ اپنی بہنوں اور بیٹیوں اور ماؤں کو وہ لباس پہنے نہیں دیکھ رہے ہیں جن کو مسلمان عورت اپنے شوہر کے سوا کسی کے سامنے نہیں پہن سکتی؟ کیا آپ کی سوسائٹی میں فحش قصے اور عشق و محبت کے گندے واقعات بے تکلفی کے ساتھ کہے اور سنے نہیں جاتے؟ کیا آپ کی محفلوں میں لوگ خود اپنی بدکاری کے حالات بیان کرنے میں بھی کوئی شرم محسوس کرتے ہیں؟ جب حال یہ ہے تو فرمائیے کہ طہارت اخلاق کا وہ پہلا اور سب سے زیادہ مستحکم ستون کہاں باقی رہا جس پر آپ کی

قومی معاشرت کا ایوان تعمیر کیا گیا تھا؟ قومی غیرت تو اب اس حد تک مٹ چکی ہے کہ مسلمان عورتیں صرف مسلمانوں ہی کے نہیں کفار تک کے ناجائز تصرف میں آ رہی ہیں۔ انگریزی حکومت میں نہیں، اسلامی ریاستوں تک میں اس قسم کے واقعات علیٰ رؤس الاشہاد پیش آ رہے ہیں۔ مسلمان ان واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں، مگر ان کے خون متحرک نہیں ہوتے۔ ایسے بے غیرت مسلمان بھی دیکھے گئے ہیں جن کی اپنی بہنیں کسی متعدد غیر مسلم کے تصرف میں آئیں اور انہوں نے فخریہ اس کا اظہار کیا کہ ہم فلاں بڑے کافر کے برادر نسبتی ہیں۔ کیا اس کے بعد بھی بے حیائی اور اخلاقی انحطاط کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اب ذرا دوسرے ستون کا حال بھی دیکھیے۔ تمام ہندوستان سے اسلامی تعزیرات کا پورا قانون مٹ چکا ہے۔ زنا اور قذف کی حد نہ اسلامی ریاستوں میں جاری ہوتی ہے نہ برٹش انڈیا میں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو قانون اس وقت ملک میں نافذ ہے وہ سرے سے زنا کو جرم ہی نہیں سمجھتا۔ اگر کسی شریف بہو بیٹی کو کوئی شخص بھگا کر بدکار بنانا چاہے تو آپ کے پاس کوئی قانونی ذریعہ ایسا نہیں جس سے اس بیچاری کی عصمت محفوظ رکھ سکیں۔ اگر کوئی شخص کسی بالغ عورت پر اس کی رضامندی سے ناجائز تصرف کرے تو آپ کسی قانون کے ذریعہ سے اس کو سزا نہیں دلوا سکتے۔ اگر کوئی عورت علانیہ فحش کاری پر اتر آئے تو آپ کے پاس کوئی قوت ایسی نہیں جس سے آپ اس کو روک سکیں۔ قانون صرف زنا بالجبر کو جرم ٹھیرا گیا ہے مگر جو قانون پیشہ ہیں ان سے پوچھیے کہ زنا بالجبر کا اثبات کس قدر مشکل ہے۔ منکوحہ عورت کا اغوا بھی جرم ہے۔ مگر تبدیل مذہب کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟

غور کیجیے! یہ دونوں ستون منہدم ہو چکے ہیں۔ اب آپ کے نظم معاشرت کی پوری عمارت صرف ایک ستون پر قائم ہے۔ کیا آپ اس کو بھی مسمار کر دینا چاہتے ہیں؟ ایک طرف پردے کے وہ نقصانات ہیں جن کو آپ نے اوپر گنایا ہے۔ دوسری طرف پردہ اٹھا دینے میں پوری قومی معاشرت کی تباہی ہے۔ دونوں کے درمیان موازنہ کیجیے۔ مصیبتیں دونوں ہیں۔ اور ایک کو بہرحال قبول کرنا

ہے۔ اب آپ خود ہی اپنے دل سے فتویٰ طلب کیجیے کہ ان میں سے کون سی کم تر مصیبت ہے؟

ہندو قوم کی مثال نہ لائیے۔ ان کا نظام معاشرت اس قدر سخت ہے کہ عورتوں کی ظاہری آزادی سے ابھی ایک زمانہ تک یہ نتائج رونما نہیں ہو سکتے۔ ان کے ہاں عورت کو تمام حقوق سے محروم کر کے بالکل مرد کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے۔ وہ ہندو معاشرت میں رہ کر مرد کے خلاف بغاوت کر ہی نہیں سکتی۔ مرد جب چاہے اس کی زندگی کو بالکل تباہ کر سکتا ہے۔ مسلمان عورت کا یہ حال نہیں۔ اسلام نے پردے کی قید لگانے کے بعد اس کو تمام مدنی حقوق عطا کر دیے ہیں۔ اس کے اختیارات یورپین عورت سے بھی زیادہ ہیں۔ صرف اجتماعی زندگی کی ان رکاوٹوں نے جن کو پردے سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کو بے قیدی سے بچا رکھا ہے۔ اگر ان رکاوٹوں کو دور کر دیا جائے۔ اور موجودہ مغربی تمدن کی ہوا اسے لگ جائے تو اس کا قدم مغربی عورتوں سے بھی آگے ہوگا۔ وہ چند ہی سال کے اندر اسلامی نظام معاشرت کی تمام حدود کو توڑ کر رکھ دیگی۔

اسلامی ممالک کی مثال بھی آپ پیش نہیں کر سکتے۔ آپ ترکی و ایران کا نام تو لیتے ہیں، مگر آپ کے ہاں کوئی مصطفےٰ کمال اور کوئی رضا شاہ بھی ہے؟ وہاں وہ طاقتور فولادی ہاتھ حکومت کر رہے ہیں جو ساری قوم کو اپنی مٹھی میں لیے ہوئے ہیں۔ وہ اگر غلط راستہ پر لے جانے کی قوت رکھتے ہیں تو اس راستہ سے پھیر لانے پر بھی ہر وقت قادر ہیں۔ ان کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہیں، سوچنے والے دماغ ہیں، عمل کرنے والے ہاتھ ہیں۔ اول تو ان کی حکومت میں عورتوں کی آزادی کے اتنے بُرے نتائج ظاہر ہی نہیں ہو سکتے جتنے ہندوستان میں ہو سکتے ہیں۔ پھر اگر کبھی انہوں نے کسی نتیجۂ بد کو محسوس کیا تو آن واحد میں وہ اسی طرح عورتوں کو گھروں میں دھکیل دیں گے جس طرح ہٹلر اور مسولینی نے دھکیل دیا ہے، اور کسی میں ان کے حکم سے سرتابی کی قوت نہ ہوگی۔ کیا آپ کی بن سری قوم میں بھی کوئی ایسا ہے؟ کیا آپ میں اتنی قوت ہے کہ اگر قومی معاشرت اور قومی اخلاق پر کوئی تباہی کا سیلاب امنڈ آیا تو اس کو روک سکیں؟ آپ تالاب کے بند کو جب چاہیں توڑ سکتے ہیں، مگر خطرے کے وقت طوفان کا منہ پھیر دینے والا تو مجھے آپ میں کوئی نظر نہیں آتا۔

پس اگر احوال زمانہ ہی پر فیصلہ کا انحصار ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے احوال پردے میں تخفیف کے نہیں اور زیادہ اہتمام کے مقتضی ہیں کیونکہ ہماری قومی معاشرت کی حفاظت کرنے والے دو ستون گر چکے ہیں، اور اب تمام دار و مدار صرف ایک ہی ستون پر ہے۔ تمدن اور معیشت اور سیاست کے مسائل آپ کو حل کرنے ہیں تو سر جوڑ کر بیٹھیے، غور کیجیے، اسلامی حدود کے اندر اس کے حل کی دوسری صورتیں بھی نکل سکتی ہیں۔ مگر اس بچے کھچے ستون کو جو پہلے ہی کافی کمزور ہو چکا ہے، اور زیادہ کمزور نہ بنائیے۔ اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے آپ کو کم از کم اتنی قوت پیدا کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی مسلمان عورت بے نقاب ہو تو جہاں اس کو گھورنے کے لئے دو آنکھیں موجود ہوں وہیں ان آنکھوں کو نکال لینے کے لئے پچاس ہاتھ بھی موجود ہوں۔

(باقی)

فضل فونٹن پن

سینیر ۶؍۸ جونیر ۱۰؍۱

نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت پائدار قیمت واجبی علاوہ اس کے سامان اسٹیشنری
و کاغذ خط و کتابت سے طلب فرمائیے

فدا علی محمد علی تاجر کاغذ پتھر گٹھی حیدرآباد دکن